درسِ قرآن

زمانہ ۱۹۶۵-۹-۱۶

افادات حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری
بانی جامعہ اشرفیہ لاہور

مرتبہ

احمد سعید ایم۔ اے۔ او کالج لاہور

حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ۔ آدمی کو اللہ فراغ نصیب فرمائے تو آدمیت یہ ہے کہ اللہ کی یاد میں لگ جائے یہ سمجھے کہ دنیا میں اللہ کی یاد کے لئے آیا ہوں۔ امام احمد کا قول ہے کہ مکان خالی ہو اور ——— خالی ہو تو بڑی دولت ہے۔ بنی اسرائیل نے مطالبہ کیا کہ کتاب مل جائے تو ہم اسکی اتباع کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حکم ہوا کہ تیس دن ٹھہر طور پر جب موسیٰ ٹھہرے تو ہم نے کتاب دیدی۔ دس دن اور بڑھائے تو ۴۰ دن ہوئے تو کتاب ملی۔

——— کا ارشاد کہ ۳۰ دن روزہ رکھا اور اعتکاف کیا۔ روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو بہت پسند ہے۔ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار شام کو مسواک نہ کرے خوشبو چلی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ مسواک کرے کہ ایک نماز سے ۷۰ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ اختلاف امام صاحب اور امام شافعی کا ——— کہ مسواک سے خوشبو نہیں جاتی وہ معدہ سے رہتی ہے مسواک سے نہیں جاتی۔ ۴۰ کے عدد میں خاص حکمت ہے اس لئے صوفیاء چلہ ۴۰ دن کا کراتے ہیں۔ آجکل کا تصوف اور ہے اور بزرگوں کا اور رنگ ہے تو ۴۰ کے عدد میں برکت ہے۔

۴۰ دن عبادت میں مشغول رہے اور معصیت سے بچتا رہے تو قلب میں خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ۴۰ دن میں نطفہ خون سے گوشت اور گوشت سے انسان۔ تو

خلقت میں ۴۰ دن کو دخل ہے۔ رمضان شریف کے روزے ۳۰ دن اور راتوں کی بیداری قریباً ۱۰ دن بن جاتی ہے تو یہ ۴۰ دن ہو جاتے ہیں۔ اتنے دن گناہ سے بچنے سے عادت بن جاتی ہے گناہ سے بچنے کی۔ جاتے وقت موسیٰ نے ہارون سے فرمایا کہ قوم کی نگرانی کرتے رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور معذبین کی تابعداری نہ کرنا۔ موسیٰ کے بھائی کو نائب مقرر کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ اگر مریدین کی اصلاح نہ کر سکے تو خلیفہ مقرر کر دے۔ حضرت والا کا ارشاد کہ حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا کہ میں سپرد کروں کام کو تو صحابہؓ نے فرمایا کہ سپرد کر کے اسکی نگرانی بھی ضروری ہے۔

تو عمرؓ نے درخواست کی کہ یا اللہ آپ ہی مدد فرمائیں۔ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ انکے دین کی اصلاح کرتے رہنا۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ انبیاء کو امت سے کتنی محبت تھی کہ بھائی کو وصیت کی کہ میرے بعد قوم کی اصلاح کرتے رہنا اور معذبین کی تابعداری نہ کرنا۔

موسیٰ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ کلام میں لطف اسکو ہوتا ہے جس کو محبت ہو۔ حکایت ہے کہ ایک نمازی کو ایک عورت کے انتظار میں شام سے صبح تک ہمکلام رہ کر اذان کے وقت شکایت کی کہ تم نے عشاء کی اذان میں جلدی کیوں کی۔

آگئے درخواست کہ قال رب ارنی انظر الیك قال لن ترانی۔ کلام میں لطف کے بعد یہ درخواست کی مثنوی میں ہے کہ خود اپنے سے خطاب کہ اللہ کے متعلق صاف صاف بیان کر حبیب خود ہی جواب دیدیا کہ تو برداشت نہیں کر سکے گا تو کیا بلا سے میں ختم ہو جاؤں گا۔ مگر وصال ہو جاتے تو موسیٰ نے کلام کے لطف سے درخواست دیکھنے کی کی۔

اور انا عرضنا الامانت میں جو انسان نے جرأت کی اسکی وجہ بھی کلام میں لطف ہی تھا کہ تمام مخلوق کے انکار کے باوجود انسان کہہ رہا ہے کہ میں برداشت کروں گا چاہے اس کے جد کچھ ہی ہو۔ اس کا منشاء عشق تھا کہ کلام کے لطف سے متاثر ہو کہ یہ جرأت کی تو کلام کی قدر ان کو ہوتی ہے۔ جنکو عشق کی چاشنی ہو۔ ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی۔ کہ اے موسیٰ تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

مسئلہ نمبرا انظرنی کہ اگر ناممکن ہوتا تو درخواست نہ کرتے تو درجہ ذات میں دیکھنا ممکن ہے کہ موسیٰ درخواست کر رہے ہیں معتزلہ ناممکن کہتے ہیں۔ دوسرے لن ترانی کہ دنیا میں رویت شرعاً نہیں ہو سکتی۔ عقلاً ممکن ہے اور شرعاً ایسا نہیں ہو سکتا، حضور ﷺ کو دیدارِ مقام

آخرت میں ہوا گو زمانہ آخرت کا نہیں تھا۔ اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف تو جواب الٰہی میں ہے۔ لن ترانی ارنی۔ یعنی آپ دیکھ نہیں سکتے ہیں تو دیکھا جا سکتا ہوں۔ جیسے آفتاب چمگادڑ سے کہے کہ تو نہیں دیکھ سکتا۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوتی ہے، بیداری میں نہیں ہو سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پہاڑ طور کو دیکھئے اگر وہ ٹھہر سکا تو تم دیکھ سکو گے اگر نہ ٹھہر سکا تو نہیں دیکھ سکو گے۔ تجلی کا مطلب ہے نور۔ ترمذی میں ہے کہ حضور نے اپنے ـــــ رکھ کر فرمایا کہ اتنا نور اللہ نے طور پہ ڈالا تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضرت موسیٰ پہاڑ کی کیفیت کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔

اس سے پہلے موسیٰؑ نے درخواست کی تھی دیدار کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیدار آپکی مصلحت کے خلاف ہے۔ میں اور نعمت آپ کو عطا کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: اے موسیٰ ہم نے اس وقت کے تمام لوگوں میں آپ کو چن لیا ہے۔ دوسری نعمت کہ آپ کو رسول بنایا اور نعمت کہ میں بلاواسطہ فرشتوں کے آپ سے کلام کروں گا۔ آگے یہ فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو دیا ہے، نعمتوں سے، ان کو یاد کیجئے اور شکر کیجئے۔ لیکن موسیٰ کو نبوت کے علاوہ سلطنت بھی تھی۔ ہارونؑ کو اسکی خلافت دے رہے تھے۔ مگر اللہ نے نعمتوں میں نبوت اور کلام کو گنا، سلطنت کو نہیں۔ تو پتہ دیا کہ اللہ کے ہاں دین کی قدر ہے دنیا کی نہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ کے پڑھنے سے روئے زمین کے خزانوں کو مل جانے سے زیادہ ثواب ہے۔ سلطنت بھی نعمت تھی مگر دینی نعمتوں کے مقابلے میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ نے جتنی دعائیں سکھلائی ہیں۔ اس میں ہر کہیں فرمایا کہ دنیا اور مافیہا سے یہ کلمہ اور جملہ بہتر ہے۔ پیغمبر نے ہر قدم پہ اللہ کی یاد سکھائی ہے۔ تو دنیا بھی نعمت ہے۔ مگر رسالت اور ہم کلامی کی نعمت کا شمار فرمایا اور شکر کا مطالبہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ زبان اعضاء قلب سے اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے رہنا۔

وکتبنا لہ فی الالواح موعظۃ کہ ہم نے کتاب کے متعلق تختیاں لکھ دیں۔ بعض مفسرین نے کہا جبرئیل علیہ السلام نے لکھیں بعض نے کہا کہ اللہ نے لکھیں۔ تین چیزیں اللہ نے ہاتھ سے بنائیں۔ آدم جنت اور یہ تختیاں۔ آگے ہے فخذھا بقوۃ اس کا مطلب ہے کہ خود مضبوطی سے عمل کیجئے جب پیغمبر کو بھی حکم ہے کہ قوت سے عمل کیجئے تو سمجھ لیجئے کہ کوئی مقام ایسا

نہیں کہ آدمی احکامِ شریعت کا مکلف نہ رہے۔ دوسرے عمل میں دوام ہو۔ عمل میں قوۃ سے مراد مفسرین یہ بھی لکھ رہے ہیں۔ قوۃ کا مطلب اخلاص بھی لیا ہے۔ یعنی صرف اللہ کو خوش کرنا ہی مقصود ہو۔ حدیث میں علماء غنی اور مجاہدین کی پیشی کا قصہ اور ان کو اوندھا جہنم میں ڈالنے کا قصہ ہے۔ تو اخلاص نہ ہونے یا ہونے کی وجہ سے نفع کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ قوۃ احسان بھی داخل ہے۔

ما الاحسان یا رسول اللہ - کی حدیث کے راوی حضرت عمرؓ ہیں۔ احسان کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی بن دیکھے ایسی عبادت کرے کہ جیسے دیکھ کر کرتا۔ خشوع بھی قوۃ میں داخل ہے تو فرمایا: خذھا بقوۃ وامر قومک - پہلے ہے پھر عمل ہے اور عمل کے ساتھ قید میں ہیں اور یہ ساری چیزیں آسانی کے ساتھ ادا ہونے کے لئے محبت اور خوف کی ضرورت ہے یأخذوا باحسنھا ساوریکم دار الفسقین - کہ بہت جلد ہی فاسقین کی جگہ سلطنت دینگے بعض کا قول ہے کہ ملک شام کی سلطنت دیں گے بعض کا قول ہے مصر۔ بہرحال جو بھی ——— اصل میں ذریعہ ہے اعمالِ صالحہ کا۔ آجکل کے لوگ جو اعمال میں حکمتیں ڈھونڈتے ہیں یہ سب غلط ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ عبادات حصولِ دنیا کا ذریعہ ہیں۔ ایک صرف رضائے حق کے لئے ہے۔ ایک یہ کہ مقصود تو رضائے حق ہے اس کے ساتھ دنیا کا نفع بھی آجاتا ہے۔ اس نیت سے دین کا کام نہ کرے کہ دنیا مل جائے گی۔ جیسے مقصود بیت اللہ تو راستے میں جدہ اور کراچی بھی آجائیں گے۔ اصل مقصود تو دین ہے۔ دنیا بطریق لزوم کے آجائے گی۔

موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ طور پر تشریف لے جانے کے بعد قوم میں فتنہ برپا ہوا۔ آگے اسکا ذکر ہے۔ واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ الخ ——— قصہ یہ ہوا کہ ایک بچھڑا بنایا گیا جس کا جسم بھی تھا۔ اور اس میں سے آواز بھی آتی تھی۔ تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعونیوں سے شادی کے بہانے زیور مانگے تھے۔ الی آخر قصہ۔ سامری نے ان زیوروں سے وہ بچھڑا بنایا اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی اس میں داخل کی، اس مٹی کا اثر تھا کہ وہ زندہ ہو گیا۔ بنایا تو ایک نے تھا مگر قوم کی رضا کی وجہ سے واتخذ قوم موسیٰ فرمایا۔ یعنی ساری قوم کیطرف نسبت فرمائی۔ روح المعانی نے لکھا ہے کہ سامری کا نام بھی موسیٰ ہی تھا اور اسکی پرورش حضرت جبریل علیہ السلام نے کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون

نے کی جنکو اللہ نے رسول بنایا اور سامری کا ذکر ہے

وموسیٰ الذی ربّاہ جبریل کافر　　وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

دوسری جگہ قصہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو اس نے کہا کہ حضرت جبریل کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی ڈالی تو اس بچھڑے کی یہ کیفیت ہوئی۔ علماء کا اتفاق ہے حیات میں مگر جسم کے متعلق اختلاف ہے کہ گوشت پوست ہوگیا تھا یا چاندی سونے ہی کا تھا۔ معتزلہ کا جواب کہ سرسراہٹ تھی بچھڑے کے خلاء میں، حالانکہ خوار بچھڑے کی آواز کو کہتے ہیں۔ دوسرے بنی اسرائیل نے کوئی بڑی تبدیلی دیکھی تھی کہ اسکی پوجا شروع کردی۔ تیسرے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ کی مٹی کا اثر تھا۔ اور جبرئیل کا نام اللہ نے روح رکھا ہے یعنی زندگی تو موثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہیں۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ میں آیا کہ صحبت سے اثر ہو جاتا ہے، جیسے مٹی میں اثر آگیا۔

در پے خوباش با خوش خونشین　　خو پذیری گل از روغن بہ بین

واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم۔ اپنے زیوروں سے علماء کی تحقیق کہ ان کی ملک تھے یا نہیں قرآن نے نسبت بنی اسرائیل کی طرف کی دلیل یہ کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ان کا ملک آگیا تھا۔ بعض کا قول کہ تسلط تو عاریت سے تھا نسبت صرف ان کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے قرآن شریف نے فرما دی۔ فقہاء کو یہاں موقعہ ملا ہونے کا تو اس تحقیق میں لگے۔ شریعت کے علم کی ضرورت ہے اس کا بہت قحط ہے ویسے علم کہ ترجمہ جانتا ہو ایسے علماء بہت ہیں۔ تو فقہاء نے تحقیق کی ایک جماعت نے کہا کہ فرعون نے ظلم سے ان کی مزدوری نہ ادا کی ہوئی تھی یہ من حلیھم عجلاً جسداً۔ جسم اور جسد میں فرق۔ جسد عام ہے اور جسم خاص۔ بنی اسرائیل بچھڑے کے بولنے کے وقت سجدہ کرتے تھے۔ اور خاموش ہوتا تو سجدے سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ خرق عادت شکل میں کرامت کے تھی۔ لیکن خرق عادت بھی ہو تو شریعت کے تحت ہی رہے گا۔

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے است
خوش دار گوش را بہ پیام سروش داد

یروا انہ المدیر وانہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلاً۔ کہ یہ بچھڑا نہ کلام کرسکتا نہ رستہ بتلا سکتا تھا۔ یہ تو انسان سے بھی کم تھا۔ صرف ٹیں ٹیں بچھڑے کیطرح کرنے سے

معبود بنالیا۔

اتخذوہ وکانوا ظالمین۔ ظلم کا معنی شے کو بے ٹھکانے رکھنے کے یعنی یہ کام بے موقعہ کر رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تنبیہہ کرنے کے بعد یہ لوگ افسوس کرنے لگے۔ سقط فی ایدیھم۔ کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ ندامت سے کاٹنے لگے۔ بعض کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے ہی کچھ ندامت ہو چکی تھی اور ندامت اللہ کا بڑا فضل ہے جب کہ گناہوں کے بعد ندامت ہو جائے گا۔ حضور کی دعا ہے: اے اللہ ہمیں نفسوں کے سپرد نہ کر۔

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم چوں تو با ما آئی ندارم ہیچ غم

لاکھ ٹوٹی کشتی ہے منجدھار ہے

ناخدا تو ہے تو بیڑا پار ہے

ہمت سے چلنے سے حق کی معیت ہوتی ہے۔ گناہ کے تقاضا کے وقت آدمی سمجھ لے کہ جہاد کا موقعہ آرہا ہے۔ اور یہ سمجھ لے کہ نفس اور خواہشات نفس تو نفع کے لئے ہے کہ اس کے مقابلہ میں مشقت ہوگی اور مشقت سے درجات بڑھتے ہیں۔ اگر نفس اور خواہشات نہ ہوتے تو یہ مجاہدہ کی دولت نہ ملتی۔

ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان آسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی دین کی بات کے خلاف کرنے پر غصہ آنا غیرت کی بات ہے۔ مشکوٰۃ میں بستی الٹنے میں ایک دین دار کی شکایت ہے کہ خلاف دین پر غصہ نہیں آتا تھا۔

اسی حالت میں موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کا سر پکڑ کر کھینچا۔ اور ہارونؑ نے فرمایا اے میرے ماں جائے بھائی دشمنوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کیجیو۔ اور اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ملامت نہ فرمائی اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام پر بغض للہ۔ کا حال غالب تھا اور حدیث میں قلب کی موت کی یہ دلیل ہے کہ گناہ دیکھ کر غصہ نہ آئے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام کی رب اغفرلی ولاخی کی درخواست کرنا آدمی اس سے سبق حاصل کرے کہ غلطی کی شکل پر بھی مغفرت مانگ رہے ہیں۔

پہلے بچھڑے کی پوجا کی غلطی کا ذکر تھا۔ آگے فرمایا: ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم۔ کہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان کو اللہ کا غضب

پہنچنے والا ہے۔ ان کے رب کیطرف سے ہے۔ غضبٌ کی تنوین میں غضب کی شدت بیان کی اور دوسرے دہمم [illegible] بی شدّت غضب کو بیان کیا کہ ان کے پیدا کرنے والا روزی دینے والا باقی رکھنے والا ناراض ہوگیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اتخاذ العجل سے انہوں نے اللہ کا حق بے جان چیز کو دے کر جرم بھی بہت بڑا کیا۔ اسی لئے قرآن نے فرمایا کہ شرک پر موت آنے سے نجات کے تمام دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ قبروں پر طواف چڑھاوے نذر وغیرہ یہ عبادت ہے جو صرف اللہ ہی کو چاہیئے۔ اسی طرح کسی بزرگ کے نام کا وظیفہ مثلاً یا گنج شکر یا گنج شکر بھی ناجائز ہے تو اللہ نے غضب اس لئے فرمایا کہ جرم بڑا تھا۔ مسلمان کو تو شبہ ناراضی کا بھی برداشت نہیں ہوسکتا۔ مشکوٰۃ شریف میں کتاب الرقاق میں ایک صحابی کو مکان کا قصہ احتمالی عقلی نہ سنا ہو، وظیفہ میں ہوں میں نے نہ سنا سلام کا جواب یا اور وجہ سے ناراض یا اب معافی مانگ لے۔ (یہ پانچ وجوہات احتمال عقلی ہوسکتے تھے۔) قرآن مجید میں تین صحابہؓ کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں شرکت سے رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ضاقت علیہم الارض بما رحبت یہ ان کے قلب کی حالت ذکر فرمائی۔ یہ شبہ تھا ناراضی کا۔ جہنم اللہ کے غضب کا مظہر ہے۔ اور جنت رضامندی کی مظہر ہے۔ اگر یقین ہوجائے کہ اللہ راضی ہیں پھر جہنم میں بھی ان کو راحت اور خوشی ہی رہے گی، جیسے حزنۃ جہنم ملائکہ جہنم ہی میں خوش ہیں، جان کے بدلے میں بھی رضا الٰہی بہت سستی ہے۔ تو اتخاذ العجل پر غضب ان کے رب کیطرف سے بہت بڑی سزا ہے۔

دوسری سزا ذلّت فی الحیوۃ الدنیا۔ کہ حیات دنیا میں ذلیل کیا۔ یہ بھی بہت بڑی سزا ہے۔ مغویہ عورتیں جو ہندوستان میں رہ گئیں، اکثر عورتوں نے خودکشی کر لی تاکہ ذلّت سے بچیں۔ ذلّت ایسی سزا ہے کہ اس سے سخت کوئی سزا نہیں۔ یہ دونوں سزائیں غیر اللہ کی پوجا کی وجہ سے دیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنے کو ہر قسم کے شرک سے بچائے۔ عیسائی اور یہودی پیغمبروں کو اللہ کا بیٹا بناتے ہیں۔ مسلمان کا گو عقیدہ شرک تو نہیں مگر شکل شرک کی ہے۔ اسی لئے شریعت نے شکل شرک کو بھی حرام کر دیا۔ جیسے طلوع عین زوال اور عین غروب کے وقت یا قبر کو سامنے رکھ کر نماز اور سجدہ حرام کر دیا، تاکہ سورج پرستوں کے یا بت پرستوں کے ہم شکل نہ بنیں۔

پناہ بلندی و پستی توئی — ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

صوفی کو جب عظمتِ حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو سارے جہان کو عدم کہہ دیتا ہے ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید
خجل شد چوں پہنائے دریا بدید

یعنی سمندر کو دیکھنے سے پہلے کے خیال کو چھوڑ دیا۔ صوفی کو مشاہدہ حق کے وقت تمام عالم بوند سے بھی کم اور فانی محسوس ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ کیا کسی کی پوجا کرے گا۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش
چہ فولادِ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس
ہمیں است بنیادِ توحید و بس

یہ وارد ہوتا ہے عظمتِ حق کی وجہ سے اور اس میں ہوش بھی باقی رہے، یہ تب ہوتا ہے کہ کامل صوفی بنے۔ لوگ اسی کو شرک کا ذریعہ بناتے ہیں۔ غضب اور ذلت کی برائی کا موت کے وقت پتہ چلے گا۔ اور یہیں یہ سنا کر غلطی سے بچانا مقصود ہے کہ تم ایسے نہ ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام کو پتہ دیا کہ ان پر غضب اور ذلت ہوگی۔ آج تک وہ ذلیل ہیں گو آج ان کے پاس سلطنت ہے، لیکن لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہی ہیں۔ کہ رب کی طرف سے غضب اور ذلت میں ہیں۔

وکذالک نجزی المفترین۔ ہر ایسے شخص کو ایسی ہی سزا دیں گے کہ یہ افترا باندھنے والے ہیں اللہ پر۔ آگے والذین عملوا السیئات ثم تابوا من بعدھا وآمنوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم۔ کہ ہم ایسے ہیں کہ اتنے بڑے جرم کے بعد بھی توبہ کرنے پر معاف کر دیتے ہیں۔ مگر شرط توبہ میں ایمان کو بھی ذکر فرمایا۔ کافر کی توبہ صرف شراب وغیرہ سے کافی نہیں بلکہ ایمان بھی شرط ہے۔ مسلمانوں کے لئے گناہوں سے صرف توبہ کافی ہے۔ اوپر فعل اور اسکی سزا ذکر ہوئی۔ آگے اس سزا سے بچنے کا طریق بتلایا تابوا کا لغوی ترجمہ ہے۔ پہلی حالت سے لوٹ آنا۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ کی نافرمانی کے ضرر کو پہچان لے توبہ سے گناہ کے ضرر کا علم آتا ہے۔ جیسے زہر کھانے کا علم۔ کثرت سے لوگ اس علم سے خالی ہیں۔ اس کے بعد قلب میں بے چینی ہوتی ہے جیسے زہر کھانے کے بعد پتہ چلے کہ یہ زہر ہے تو بے چینی ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر عمل وہ یہ کہ اس چیز کو چھوڑ دیا۔ ارشادِ نبوی ہے التوبۃ الندامۃ جسکو اوپر بے چینی میں نے کہا۔ اس میں علم، بے چینی، اور عمل تینوں چیزیں حضورؐ نے

باقی صفحہ ۵۹ پر